اسبابِ عروج وزوالِ اُمّت

(۶)

مامون رشید کو مورخین اسلام خلافت بنی عباس کا ہیرو کہتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ اس شرف کا جامہ اگر خلفاء بنی عباس میں سے کسی کے قامتِ موزوں پر راست آتا ہے تو وہ دوسرا خلیفہ ابوجعفر منصور ہے، اگرچہ سفاح کی طرح اس کے مزاج میں بھی تشدد اور سخت گیری کا غلبہ تھا چنانچہ اُس نے علویہ کے ساتھ جو کچھ کیا وہ اُس معاملہ سے کم نہیں تھا جو سفاح نے بنو امیہ کے ساتھ کیا تھا تاہم اس کی ذہنیت بڑی حد تک اسلامی تھی اور وہ یہ سمجھتا تھا کہ ایک خلیفۂ اسلام کا فرض محض علوم وفنون کی اشاعت نہیں ہے بلکہ اُس سے کہیں زیادہ بڑھ کر اُس کا اہم اور ضروری فرض یہ ہے کہ وہ لوگوں کے اعمال واخلاق کی نگرانی کرے بدعقیدتی سے اُن کو بچائے اُن کے لیے کسب واکل حلال کے وسائل وذرائع مہیا کرے، سوسائٹی کو برے رسوم وعادات سے محفوظ رکھے اور سیاسی طاقت وقوت کو اتنا مضبوط بنا دے کہ دشمنوں کو اس پر حملہ کرنے کا حوصلہ نہ ہوسکے۔

اخلاق اسلامی کی نگرانی اس احساس فرض کے باعث منصور نے ایک طرف توطرابلس الشام وغیرہ میں رومیوں نے جو شورشیں پیدا کر رکھی تھیں اُن کو دبایا۔ اندروں ملک خراسانیوں کے بل بوتے پر جو لوگ اپنے اہواءِ فاسدہ کو بروئے کار لانا چاہتے تھے اُن کی سرکوبی کی اور دوسری جانب اُس نے اس بات کی سخت نگرانی رکھی کہ مسلمان لہو ولعب اور مخرب اخلاق مشاغل سے مجتنب رہیں، خلیفہ ہونے کے باوجود خود اس کا یہ حال تھا کہ مورخ طبری (ج ۹ صفحہ ۲۹۴) کے

بیان کے مطابق محل شاہی میں ایک دن کے سوا لہو ولعب یا کوئی لغو بات کبھی نہیں دیکھی گئی۔ ایک مرتبہ اُسے محل میں کچھ شور سنائی دیا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک جگہ گانا ہو رہا ہے، فوراً جوتہ پاؤں میں ڈال روانہ ہوگیا۔ موقع پر پہنچ کر دیکھا کہ ایک غلام طنبورہ بجا رہا ہے اور چند باندیاں جو اُس کے اردگرد جمع ہیں ہنس ہنس کر داد دے رہی ہیں منصور کو دیکھتے ہی یہ مجمع منتشر ہوگیا۔ اب اُس نے حکم دیا کہ طنبورہ غلام کے سر سے دے مارا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور طنبورہ ٹوٹ گیا۔ اس واقعہ کے بعد منصور نے غلام کو اپنے پاس رکھنا بھی مناسب نہیں سمجھا اور اُسے محل سے نکال کر فروخت کرا دیا۔ اس کے علاوہ منصور کو شراب نوشی سے بھی نفرت تھی۔ خود تو پیتا ہی نہیں تھا، دوسرے مذہب کے لوگوں کو بھی اپنے دسترخوان پر اس کی اجازت نہیں دیتا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ بختیشوع طبیب مہمان شاہی ہوا اور اُس کے سامنے منصور کے حکم سے کھانا رکھا گیا تو اس میں شراب نہیں تھی بختیشوع چونکہ عیسائی تھا اور مذہباً اُس کے لیے شراب جائز تھی۔ اس لیے اُس نے دسترخوان پر شراب کا مطالبہ کیا، جواب ملا اِنَّ الشَّرابَ لا یشربُ علیٰ مائدۃ امیر المؤمنین" امیر المومنین کے دسترخوان پر شراب نہیں پی جا سکتی بختیشوع بولا" تو پھر میں کھانا بھی نہیں کھاؤنگا۔ منصور کو اس واقعہ کا علم ہوا تو اُس نے بختیشوع کی کوئی پروا نہیں کی اور کہنے لگا۔" اچھا وہ کھانا شراب کے بغیر نہیں کھا سکتا تو نہ کھائے" یہ واقعہ صبح کے کھانے کے وقت پیش آیا تھا شام کو جب کھانا آیا تو بختیشوع نے پھر دسترخوان پر شراب کی خواہش ظاہر کی۔ اس مرتبہ پھر اُس کو وہی جواب ملا۔ مگر اب اُس نے کھانا کھایا اور اُس کے بعد دجلہ کا پانی پیا تو بولا" میں نہیں سمجھتا تھا کہ کوئی چیز شراب کی قائم مقام بھی ہو سکتی ہے، لیکن واقعی دجلہ کا پانی پی کر شراب پینے کی ضرورت باقی نہیں رہتی (طبری ج ۹ ص ۳۰۹)

منصور عام خلفاء بنی عباس کے برخلاف فضول خرچی اور اسراف و تبذیر سے بھی سخت

پرہیز کرتا تھا کسی شاعر کے کسی شعر سے اگر خوش ہوتا بھی تھا تو اُسے بہت معمولی سی رقم دے کر خاموش ہو جاتا تھا۔ ایک مرتبہ بصرہ کے قاری ہیثم نے منصور کے سامنے آیت "ولا تبذر تبذیرًا" پڑھی تو اُس نے دُعا مانگی "اے اللہ تو مجھ کو اور میری اولاد کو اُن چیزوں میں فضول خرچی کرنے سے بچا جو تو نے اپنے لطفِ خاص سے ہم کو مرحمت فرما رکھی ہیں" اس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ اپنی ہر چیز میں کھانے پینے میں، پہننے اوڑھنے میں اور لینے دینے میں میانہ روی کو ملحوظ رکھتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ خزانہ قوم کی امانت ہے اور کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس امانت کو اپنے ذاتی حظِ نفس میں صرف کرے۔

منصور کے سلیم الطبع ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ اپنے کسی فعل و عمل پر کسی کی زبان سے نکتہ چینی سُن کر چین بجبیں نہیں ہوتا تھا، بلکہ اگر بات حق ہوتی تھی تو اُسے فوراً قبول کر لیتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ افریقیہ کا ایک قاضی دربارِ خلافت میں حاضر ہوا جو طالب علمی میں منصور کا ساتھی رہ چکا تھا۔ منصور نے اُس سے پوچھا "تم کو میری حکومت اور بنو اُمیہ کی حکومت میں کیا فرق نظر آیا اور تم اس طویل سفر میں ہمارے جن جن علاقوں سے گذرتے ہوئے آئے ہو اُن میں نظم و نسق کا کیا حال ہے؟" قاضی نے جواب دیا "اے امیر المومنین! میں نے اعمالِ بد اور ظلم و جور کی کثرت دیکھی ہے پہلے تو میرا گمان یہ تھا کہ اس ظلم و جور کا سبب آپ کا ان علاقوں سے دور ہونا ہے لیکن میں جتنا قریب آتا گیا معاملہ اُسی قدر نازک ہوتا گیا" خلیفہ منصور نے یہ سُن کر اپنی گردن جھکا لی، تھوڑی دیر کے بعد سر اُٹھا کر کہا "مگر میں لوگوں کا کیا کروں؟" قاضی نے جواب دیا "کیا آپ کو معلوم نہیں ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے تھے لوگ بادشاہِ وقت کے تابع ہوتے ہیں۔ بادشاہ اگر نیک ہوگا تو رعایا بھی نیک اور صالح ہوگی اور اگر وہ بد ہے تو رعایا نیک نہیں ہو سکتی"

منصور کی عاقبت اندیشی، دور بینی، سیاسی مہارت و بصیرت اور نیک نیتی کا اندازہ

اُس وصیت نامہ سے ہو سکتا ہے جو اُس نے وفات سے چند روز پہلے اپنے بیٹے مہدی کو دیا تھا۔

ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ کی جلد ۹ ص ۳۱۹ میں اور ابن اثیر الجزری نے کامل ج ۶ (از صفحہ ۶ تا ۷) میں اس وصیت نامہ کو بتمام و کمال نقل کیا ہے۔ الفاظ میں اختلاف ہے مگر دونوں کا حاصل ایک ہے۔ ذیل میں اُس کا خلاصہ نقل کرنا بے محل نہ ہوگا۔

"اے بیٹے! کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو میں نے تمہارے لیے ہموار اور مہیا نہ کر دی ہو۔ میں تم کو چند باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔ اگرچہ میرا گمان ہے کہ تم اُن میں سے ایک پر بھی عمل نہیں کرو گے۔" یہ کہہ کر منصور نے ایک صندوقچی منگوائی جس میں متعدد رجسٹر تھے۔ یہ صندوقچی مقفل رہتی تھی اور سوائے کسی ایک معزز شخص کے کوئی اور اس کو نہیں کھول سکتا تھا۔ منصور نے صندوقچی کھول اور اُس میں سے رجسٹر نکال مہدی کے حوالے کیے اور کہا کہ تم اُن کو بڑی حفاظت سے رکھنا۔ ان میں تمہارے آبا کا علم محفوظ ہے۔ اگر کوئی اہم معاملہ پیش آجائے تو پہلے بڑے رجسٹر میں اس کا جواب تلاش کرنا۔ اگر اُس میں نہ ملے تو پھر دوسرا اور تیسرا رجسٹر دیکھنا۔ اسی طرح ساتوں رجسٹر دیکھ جانا۔ اگر ان میں سے کسی میں بھی تمہارے سوال کا جواب نہ ملے تو پھر چھوٹا رجسٹر دیکھنا۔ مجھ کو یقین ہے کہ اُس میں تم کو اپنے معاملہ کے متعلق ضرور کوئی ہدایت ملیگی۔

اس کے بعد منصور نے بعض امور کی نسبت مہدی کو خاص خاص ہدایتیں کیں اور اُس سے مطالبہ کیا کہ وہ اُن پر سختی کے ساتھ عمل پیرا ہو۔ اس سلسلہ میں اُس نے کہا۔

(۱) شہر بغداد کا خاص خیال رکھنا۔

(۲) میں نے بیت المال میں اس قدر روپیہ جمع کر دیا ہے کہ اگر دس برس تک بھی تم کو خراج کی رقم پوری وصول نہ ہو تو تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ تم اس روپیہ کو لشکریوں کی تنخواہوں متعلقین کے وظائف و عطیات اور سرحدوں کے انتظامات پر خرچ کرنا۔

(۳) اہلِ خاندان اور اعزا و اقارب کے ساتھ صلہ رحمی اور ملاطفت کا معاملہ کرنا کہ اُنہی سے تمہاری عزت و آبرو ہے۔

(۴) ہر کام میں تقویٰ و طہارت اور عدل و انصاف کا خیال رکھنا کیونکہ جس بادشاہ میں یہ اوصاف نہیں ہیں درحقیقت وہ بادشاہ ہی نہیں

(۵) کسی معاملہ میں عورتوں کو مشیر کار نہ بنانا۔ اور جب تک کسی معاملہ میں خوب غور و خوض نہ کرلو اُس کے متعلق کوئی فیصلہ نہ کرنا۔

منصور کو یقین تھا کہ اُس نے جو وصیت لکھی ہے وہ اُس کی موت کے بعد شرمندۂ عمل نہیں ہوگی۔ اسی لیے اُس نے ہر جملہ کے بعد "وما اظنک تفعل" میرا گمان ہے کہ تم ایسا نہیں کروگے۔ کہا ہے۔

منصور کے بعد ۱۵۸ھ میں مہدی خلیفہ ہوا۔ اُس نے اپنے عہد خلافت میں متعدد اچھے اور تعمیری کام کیے لیکن سب سے بڑا اور شاندار کارنامہ یہ ہے کہ اُس نے زنادقہ کے اُس فتنہ کا سختی کے ساتھ مقابلہ کیا جو متعدد اسباب و وجوہ سے مسلمانوں میں پھیلنا شروع ہوگیا تھا۔ اس مقصد کے لیے اُس نے ایک مستقل محکمہ قائم کررکھا تھا جس کا امیر عمر الکلوازی نام ایک شخص تھا اس محکمہ کے لوگوں کا کام یہ تھا کہ وہ ڈھونڈھ کر زندیقوں اور ملحدوں کو پکڑ کر لاتے تھے اور پھر ان کو قرار واقعی سزا ملتی تھی۔ بشار بن برد اس زمانہ کا ایک مشہور زندیق شاعر تھا۔ ایک مرتبہ مہدی بصرہ میں آیا اُس کے ساتھ حمدویہ تھا جو زندیقوں کی جستجو اور اُن کا کھوج لگانے کی خدمت پر مامور تھا۔ یہاں کہیں بشار حمدویہ کے ہاتھ لگ گیا۔ مہدی کے سامنے اُس کا معاملہ پیش ہوا تو اُس نے حمدویہ کو حکم دیا کہ اُسے سخت ترین سزا دی جائے۔

لیکن مہدی کا یہ اقدام وقتی اور ہنگامی طور پر تو مفید ہوا۔ زیادہ دیرپا نہیں ہوسکتا تھا۔

اس کی وجہ صاف ظاہر ہے یعنی یہ کہ زندقہ والحاد جن اسباب سے پیدا ہو رہا تھا اُن کے استیصال کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ حرم شاہی میں غلمان و جواری کا عمل دخل بڑھ رہا تھا۔ دربار میں بدعقیدہ عجمیوں کے اثرات ترقی کر رہے تھے اور عام مجالس و محافل میں ابو نواس اور بشار بن برد ایسے مطلق العنان شاعر رندی و بیہ مستی کے جذبات پیدا کر رہے تھے۔ مدارس و مکاتب میں درس قرآن و حدیث کے بالمقابل فلسفہ و عقلیات نے اپنی ایک مستقل درس گاہ قائم کر لی تھی۔ سامان عیش و عشرت کی فراوانی نے عہد شباب کی لذت اندوزیوں کے ارمانوں کو دلوں میں بیدار کر دیا تھا۔ محتسب خود پیر مغاں کے دستِ کرم پر بیعت کر چکا ہو تو میخانہ کے دروازہ پر قفل کون لگائے؟

اذا کان ربُّ البیت بالطبل ضاربًا　　فلا تلُمِ الاولاد فیہ علی الرقص

جب صاحب خانہ ہی طبل بجا رہا ہو تو گھر میں اولاد کو ناچنے پر ملامت نہ کرو۔

علامہ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ کی جلد اوّل کے شروع میں بعض محدثین اور علماءِ ربانیین کے وہ اقوال و اشعار نقل کیے ہیں جو اُنھوں نے بغداد سے متعلق کہے تھے، اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ لہو و لعب اور عیش و طرب کی اس فضا رنگین میں خدا کے ایسے پاک بندے بھی کثیر تعداد میں موجود تھے جو تقویٰ و طہارت اور ثقاہت کی زندگی بسر کر رہے تھے اور اس صورتِ حال پر سخت مضطرب اور پریشان تھے۔ لیکن ان بزرگوں کی حالت اس شعر کا مصداق تھی۔

دلم بپاکی دامانِ غنچہ می لرزد　　کہ بلبلاں ہمہ مستند و باغباں تنہا

اس میں شک نہیں ہے کہ مسلمانوں نے فاتح ہونے کی حیثیت سے دوسری قوموں کی ماہیت میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا جس کا ظہور دو چیزوں کی شکل میں بین طور پر ہوا۔ ایک مذہب اور دوسری زبان، لیکن وہ خود بھی عجمی اقوام کے تہذیبی اور ثقافتی اثرات سے نہ بچ سکے۔ ایرانیوں اور رومیوں نے اسلامی معاشرت کو متاثر کیا جس کے باعث مسلمانوں میں فضول خرچی، عیش پسندی

آرام طلبی اور لہو ولعب کی طرف میلان پیدا ہوا۔ غنا جس کو مورثِ نفاق کہا گیا تھا وہ شب و روز کا مشغلہ بن گیا اور زندگی کے ہر شعبہ میں بیجا تکلفات اور تصنع کا ظہور ہونے لگا[1]۔ دوسری جانب یونان اور ہندوستان نے اسلامی فکر کو اثر پذیر کیا جس کے باعث مذہبی عقائد تک میں غیر اسلامی خیالات و احساسات کا اثر نمایاں ہونا شروع ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں اسلامی انفرادیت کی عمارت کس طرح قائم رہ سکتی تھی؟ جب فکر و عمل دونوں ہی مسموم ہو گئے ہوں تو پھر زوال و انحطاط جس شکل میں بھی آئے اُسے آنا چاہیے تھا۔

اس موقع پر یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ سطور بالا میں جو کچھ آپ نے پڑھا ہے وہ اُن عوامل و اسباب کا تذکرہ و بیان تھا جو مسلمانوں کے لیے تدریجی انحطاط و تنزل کا باعث بنے ان عوامل کا مختصراً نمبر وار اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔

(۱) شخصی حکومتوں کا استبداد اور اسلامی دستورِ حکومت کا نظر انداز ہو جانا۔

(۲) حد سے زیادہ رواداری اور سماحت برت کر ایسے لوگوں کو حکومت کے معاملات میں دخیل بنا دینا جو جماعتی مفاد کے مقابلہ میں اپنے اہواء و اغراض کو مقدم رکھنے کے خوگر تھے۔

(۳) غیر مسلم قوموں کے تہذیبی و ثقافتی اثرات کو قبول کر لینا خواہ یہ قومیں ایشائی ہوں یا مغربی

(۴) عیش و تنعم میں مبتلا ہو جانا، عورتوں کو سلطنت کے معاملات میں لائقِ اعتماد و اعتبار سمجھنا فوجی اسپرٹ کا کم کیا بلکہ کالعدم ہو جانا۔

بنیادی طور پر یہی چار امور ہیں جو عہدِ بنی اُمیہ سے لے کر ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے فنا ہو جانے تک کار فرما رہے ہیں۔ مختلف ممالک میں مختلف خاندان حکومت کر کر کے فنا ہوتے رہے

[1] ادب و تاریخ کی تمام کتابوں میں عموماً اور ابوالفرج اصفہانی کی کتاب الاغانی، قلقشندی کی صبح الاعشیٰ اور ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی کتاب حدیث الاربعاء میں خصوصاً اس زمانہ کی عام مسرفانہ اور عشرت کوشانہ معاشرت کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ اس درجہ الم انگیز ہے کہ اُس کا ایک حصہ نقل کرنا بھی قلم کے لیے دشوار ہے۔

اور اُن کی جگہ جن خاندانوں نے لی وہ بھی مسلمان ہی تھے۔ لیکن ہندوستان اور اندلس کا معاملہ ان سے الگ ہے۔ اِن دونوں ملکوں سے اسلامی حکومت اس طرح مٹی کہ اب تک اُس کے دوبارہ قائم ہونے کی اُمید نہیں ہے

حال اور ماضی کا موازنہ | گذشتہ اوراق سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ہمارے انحطاط و تنزل کی داستان خلافت راشدہ کے اختتام کے بعد سے ہی شروع ہو جاتی ہے لیکن یہ سمجھنا ایک شدید غلطی ہوگی کہ ہمارے آج اور کل میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ ہمارا کل آج سے کہیں زیادہ بہتر تھا اور ہمارا عہد ماضی خواہ متعدد اسباب و وجوہ کے ماتحت وہ کیسا ہی تنزل پذیر ہو، بہرحال ہمارے حال سے بدرجہا اُمید آفریں اور حوصلہ افزا تھا۔ اس کے متعدد اسباب ہیں جنہیں ذیل میں مختصراً بیان کر دینا ضروری ہے تاکہ ہم کو اپنی موجودہ پستی کا صحیح طور پر اندازہ ہو سکے۔

گذشتہ ایام زوال میں سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ اندرونی اور بیرونی طور پر خواہ حالت کیسی ہی خراب و خستہ ہو بہرحال مسلمانوں کی اپنی حکومت و سلطنت تھی۔ اس بنا پر اول تو جو فاسق و فاجر بادشاہ ہوتے تھے وہ بھی حرمات و شعائراللہ کی توہین کی جرأت نہیں کر سکتے تھے، اور چونکہ علماءِ حق کا گروہ ہر دور میں موجود رہا ہے اس لیے وہ موقع و محل کے مناسب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کو ادا کرنے سے غافل نہیں رہتے تھے اور اس طرح کسی نہ کسی حد تک صورتِ حالات کی اصلاح ہو جاتی تھی۔ خلیفہ ذاتی طور پر خواہ کیسا ہی مستبد ہو لیکن علمارحق کے سامنے اُسے بھی جھکنا پڑتا تھا۔ یہ تسلیم کرنا ناگزیر ہے کہ بعض خاص خاص مواقع پر علماء کے اس اثر نے حکومتوں میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا ہے۔

علماءِ حق کی مساعی اصلاح | اس نوع کے واقعات تذکرہ و تاریخ کی کتابوں میں بکثرت ملتے ہیں اُن میں سے چند واقعات کا ذکر بہ طور نمونہ مشتے از خروارے نامناسب اور بے محل نہ ہوگا۔ مشہور اموی

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک چاہتا تھا کہ اپنے بیٹے کو ولیعہد بنا دے لیکن اُس زمانہ کے مشہور تابعی امام حضرت رجا بن حیوٰہ کے مشورہ کے مطابق اُس نے اپنی اس رائے سے رجوع کر کے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اپنا جانشین مقرر کر دیا اور اپنی زندگی میں ہی اُن کے لیے بیعت لے لی جس سے پھر ایک مرتبہ خلافت راشدہ کا منظر لوگوں کو نظر آ گیا۔

امام یزید بن ابی حبیب ایک مشہور تابعی ہیں۔ ایک مرتبہ آپ بیمار ہوئے۔ مصر کا گورنر ابن سہیل مزاج پرسی کے لیے خدمت اقدس میں حاضر ہوا، دوران گفتگو میں اُس نے ایک مسئلہ پوچھا کہ کسی کپڑے کو مچھر کا خون لگ جائے تو اُس سے نماز جائز ہے یا نہیں؟ امام ہمام کو یہ سن کر اس قدر غصہ آیا کہ مُنہ پھیر لیا۔ مگر زبان سے کچھ نہ فرمایا۔ تھوڑی دیر بعد جب والی مصر چلنے لگا تو امام نے ارشاد فرمایا "تم روزانہ خدا کے بندوں کا خون بہاتے ہو اُس کا کوئی ذکر فکر نہیں کرتے۔ مگر آج مچھر کے خون سے متعلق مسئلہ مجھ سے دریافت کرتے ہو"۔

حجاج کے نام اور اس کی سفاکی و بے رحمی سے کون واقف نہیں۔ ایک مرتبہ اُس کے سامنے سیدنا امام حسینؓ کا ذکر آیا تو بولا" وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریات میں داخل نہیں تھے۔ اس مجلس میں اتفاق سے مشہور تابعی عالم یحییٰ بن یعمر بھی موجود تھے۔ اُنھوں نے فرمایا "تو جھوٹ بولتا ہے" حجاج نے کہا" اس کو یا تو قرآن سے ثابت کرو ورنہ میں گردن اُڑا دونگا" اب حضرت یحییٰ بن یعمر نے آیت وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمَانَ الآیہ۔ پڑھی اور فرمایا کہ "جب اس آیت کے بموجب حضرت عیسیٰ ماں کے رشتہ سے حضرتِ آدم کی ذریت میں داخل ہیں تو امام حسینؓ ماں کے توسط سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت میں کیوں داخل نہیں" حجاج بلا کا شعلہ مزاج تھا۔ مگر اس وقت یحییٰ بن یعمر کی حق گوئی کا اُس پر ایسا اثر ہوا کہ بولا" سچ کہتے ہو، میں اس آیت کو پڑھتا تھا مگر کبھی ذہن ادھر منتقل نہیں ہوا۔ بخدا یہ استنباط تو بہت ہی عجیب وغریب ہے"

انہی کا ایک دوسرا واقعہ ہے۔ ایک دفعہ حجاج نے ان سے دریافت کیا "میں لحن یعنی اعراب میں غلطی تو نہیں کرتا؟" یحییٰ بن یعمر نے اس کا نہایت بلیغ جواب دیا فرمایا" تُرفع ما یخفض وتخفض ما یرفع" حجاج کے سوال کے مطابق اس جملہ کا ایک مطلب تو یہ تھا کہ تم کسرہ کی جگہ رفعہ اور رفعہ کی جگہ کسرہ پڑھ دیتے ہو۔ مگر اس کا دوسرا مطلب یہ بھی نکلتا تھا کہ تو بڑا بے انصاف اور ظالم ہے جو پستی کے مستحق کو بلندی دیتا ہے اور سربلندی کے مستحق کو ذلیل و خوار کرتا ہے" ابن خلکان کا بیان ہے کہ حجاج اس حق گوئی پر اس درجہ مسرور ہوا کہ یحییٰ بن یعمر کو خراسان کا قاضی مقرر کر دیا۔

مشہور محدث امام زہری اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک سے راہ و رسم رکھتے تھے۔ اُنہوں نے متعدد مواقع پر خلیفہ کی اصلاح کی اور اُس کو بعض مضرت رساں اقدامات سے روکا۔ امام اوزاعی شام کے امام تھے۔ ایک مرتبہ اول خلیفۂ عباسی سفاح کے چچا عبداللہ بن علی نے اُن سے دریافت کیا "ہم نے بنو اُمیہ کی جو خونریزی کی ہے اُس کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے؟" امام اوزاعی نے پہلے تو ٹالنا چاہا مگر جب زیادہ اصرار ہوا تو اُنھوں نے صاف صاف فرمایا "بخدا! ان لوگوں کا خون تم پر حرام تھا" عبداللہ بن علی انتہا درجہ تندمزاج اور درشت خو تھا۔ اس جواب کو سُن کر غصہ کے مارے لال پیلا ہو گیا، گردن کی رگیں پھول گئیں اور آنکھیں انگارہ بن کر باہر کو نکل آئیں، بولا "تم نے ایسا کیونکر کہا" امام عالی مقام نے جواب دیا "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حق بنیاد ہے "کسی مسلمان کا خون اُس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت پیش نہ آئے۔ یا تو شادی شدہ ہو کر وہ زنا کرے، یا قاتل ہو اور یا مرتد ہو جائے" اب عبداللہ بن علی نے پوچھا "کیا ہماری حکومت دینی نہیں ہے؟" امام اوزاعی نے سوال کیا "یہ کیونکر؟" عبداللہ نے کہا "کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے لیے وصیت نہیں کی تھی؟" امام

نے فرمایا "اگر وصیت کی ہوتی تو حضرت علی کسی کو اپنی طرف سے حکم نہ بناتے" اس گفتگو کے بعد امام ہمام کو توقع کیا بلکہ یقین تھا کہ اُن کی گردن اُڑادی جائیگی لیکن اس کے برعکس ہوا یہ کہ عبداللہ بن علی نے اگرچہ اُس وقت بگڑ کر امام اوزاعی کو دربار سے نکلوا دیا۔ مگر بعد میں اُن کے پاس دنانیر کی ایک تھیلی بہ طور نذرانہ ارسال کی جس کو امام نے اُسی وقت مستحقین میں تقسیم کر دیا۔

عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کا حال گزر چکا ہے کہ تشدد میں سفاح سے کم نہ تھا۔ ایک مرتبہ اُس نے مشہور محدثِ وقت عبداللہ بن طاؤس کو اپنے پاس بلایا اور کسی حدیث کے سُنانے کی فرمائش کی۔ امام نے اس موقع کو غنیمت جان کر ایک حدیث سُنائی جس کا مضمون یہ تھا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اُس کو ہوگا جس کو خدا نے حکومت عطا فرمائی اور وہ ظالمانہ حکومت کرتا ہے۔ خلیفہ یہ سُن کر دیر تک سرنگوں رہا۔ پھر سر اُٹھایا اور ایک سوال اور کیا۔ ابن طاؤس نے اُس کا جواب بھی اسی طرح دیا۔ اب خلیفہ نے تنگ آکر کہا "آپ یہاں سے تشریف لیجائیے"۔ ابن طاؤس کے ساتھ امام مالک بھی تھے۔ ابن طاؤس نے جواب دیا "یہ تو ہم چاہتے ہی تھے۔"

اس سے زیادہ عجیب وغریب واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ ابو جعفر منصور کے چہرہ پر ایک مکھی آبیٹھی۔ خلیفہ نے اُسے اُڑا دیا۔ دوبارہ آبیٹھی تو پھر اُسے اُڑا دیا۔ مگر تیسری بار پھر مکھی چہرہ پر آبیٹھی اور منصور نے اُسے اُڑا دیا تو اُس وقت مشہور مفسر ابن سلیمان منصور کے پاس تشریف رکھتے تھے منصور نے جھنجلا کر اُن سے پوچھا "مکھی کے پیدا کرنے میں خدا کی کیا حکمت ہے؟" ابن سلیمان نے جواب دیا "خدا نے اس کو مغرور لوگوں کا غرور توڑنے کے لیے پیدا کیا ہے"۔

ایک مرتبہ خلیفہ ہارون رشید اور شہزادے امام مالک کے حلقۂ درس میں گئے اور خلیفہ نے کہا کہ حدیث کی قرأت میں کرونگا، آپ سُنیے مگر شرط یہ ہے کہ عام سامعین کو اپنے حلقہ سے باہر کر دیجیے۔ امام مالک نے فرمایا "اگر خواص کی خاطر عوام کو محروم کر دیا جائیگا تو پھر خواص کو بھی

کوئی فائدہ نہ ہوگا" یہ جواب دے کر اپنے ایک شاگرد کو حکم دیا کہ حدیث کی قرأت شروع کریں۔ اُنہوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور خلیفہ کو خاموش ہو جانا پڑا"

واقعات بیشمار ہیں، تذکرہ و تاریخ کی کتابوں میں جابجا اُن کا ذکر ہے۔ کہاں تک انہیں بیان کیا جا سکتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ یہی علماءِ حق تھے جو موقع بموقع امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کر کے خلفاءِ وقت کو اُن کی بے اعتدالیوں اور غلطیوں پر متنبہ کرتے رہتے تھے اور اس طرح استبدادی نظام حکومت کے مفاسد کو زیادہ وسیع ہونے سے روکنے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ عباسی خلیفہ ہادی نے وفات سے پہلے چاہا کہ اپنے بیٹے کو اپنا قائم مقام بنا کر اپنے بھائی ہارون رشید کو خلافت سے محروم کر دے۔ اس مقصد کے لیے اُس نے ایک مجلس طلب کی جس میں ہرثمہ بن اعین بھی تشریف رکھتے تھے۔ جب اصل معاملہ پیش ہوا تو سب حاضرین خلیفہ کا رجحانِ خاطر دیکھ کر خاموش تھے۔ مگر ہرثمہ بن اعین نے کہا "اے خلیفہ تیرا یہ اقدام صحیح نہیں ہے کیونکہ تیرے باپ نے تجھے اور ہارون رشید دونوں ہی کو ولیعہد بنایا تھا۔ پھر اب اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تو جو اس وقت اپنے بیٹے کے لیے بیعت لے رہا ہے وہ زیادہ قوی ثابت ہوگی بہ نسبت اُس بیعت کے جو تیرے باپ نے ہارون کے لیے لی تھی۔ جو شخص پہلی بیعت کو توڑ سکتا ہے، وہ دوسری بیعت کو بھی توڑ سکتا ہے" حالانکہ معاملہ بیٹے کا تھا لیکن خلیفہ ہادی ہرثمہ کی حق گوئی سے بددل نہیں ہوا، اور اُس نے حاضرین کو مخاطب کر کے کہا۔ "تم سب کا بُرا ہو، تم نے مجھ کو دھوکہ میں رکھا۔ صرف میرے آقا (ہرثمہ) ہیں جنہوں نے میری خیرخواہی کا حق ادا کر دیا"۔ اب خیال فرمائیے ہرثمہ نے اس وقت غیر معمولی جرأت سے کام لے کر اُمت کو کتنے بڑے فتنہ سے بچا لیا۔

مامون رشید اور قاضی یحییٰ بن اکثم کے واقعات مشہور ہیں۔ ایک مرتبہ مامون نے فرمان

لکھوایا کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان پر لعنت بھیجی جائے" لیکن قاضی صاحب کی بروقت مداخلت سے مامون کو یہ فرمان واپس لینا پڑا۔ اسی طرح ایک دفعہ مامون پر شعیت کا غلبہ ہوا تو اُس نے نکاح متعہ کے جواز کا حکم دے دیا۔ قاضی صاحب کو اس کی خبر ہوئی دوڑے ہوئے آئے اور مامون کو سمجھایا کہ قرآنی نص کے مطابق نکاح متعہ اور زنا ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ مامون نے اپنی غلطی تسلیم کرلی اور فوراً متعہ کی حرمت کا اعلان کرا دیا۔

متوکل باللہ عباسی انتہا درجہ تندمزاج اور درشت خو تھا۔ ایک مرتبہ دربار کر رہا تھا کہ ایک عالم نے (جن کا نام یاد نہیں رہا) کھڑے ہو کر کہا کہ اے خلیفہ خدا نے تجھ میں ایک ایسی صفت رکھی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی نہیں تھی" یہ سُن کر تمام حاضرین دربار پر سناٹا چھا گیا اور خود خلیفہ بھی دم بخود ہو کر رہ گیا" غضبناک ہو کر پوچھا" یہ کیونکر؟" عالم نے جواب دیا" دیکھیے! قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ آنحضرت کو خطاب کر کے ارشاد فرماتا ہے" اگر آپ تندمزاج اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے" لیکن اے خلیفہ تجھ میں یہ وصف ہے کہ تو تندمزاج ہے اور سخت دل بھی، مگر اس کے باوجود لوگ تیرے اردگرد جمع ہیں۔ اور اُن میں سے کوئی نہیں بھاگتا۔ بات پتہ کی تھی اور خلوص سے کہی گئی تھی خلیفہ کے دل پر اثر کیے بغیر نہ رہی۔

صرف بنو اُمیہ اور بنو عباس کے درباروں کی ہی یہ خصوصیت نہیں ہے بلکہ جس جس ملک میں جب تک مسلمانوں کی حکومت رہی کم وبیش ایسے علماءِ حق کا وجود برابر رہا ہے جو حکومت کی بے اعتدالیوں کی پردہ دری کر کے امرِ حق کا اعلان کرتے رہتے تھے اور ملک کو فتنوں سے بچانے کی کوشش کرتے تھے۔ مصر کا مشہور فرمانروا رکن الدین بیبرس بڑے جاہ و جلال کا بادشاہ تھا۔ ایک مرتبہ اُس نے جہاد کے لیے مسلمانوں سے مقررہ رقم کے علاوہ کچھ مزید رقم جمع کرنی چاہی

صحیح مسلم کے مشہور شارح علامہ نووی نے اس کی مخالفت کی اور سلطان سے کہا "مجھ کو معلوم ہے تو امیر بند قدار کا زر خرید غلام تھا اور ایک جبہ کا بھی مالک نہیں تھا۔ اب اللہ نے تجھ کو سلطنت دے دی ہے اور تو نے ہزاروں غلام خرید ڈالے ہیں جن کے تمام سامان طلائی ہیں۔ نیز تیرے محل میں سو کنیزیں ہیں جو زر و جواہر سے لدی ہوئی ہیں۔ جب تک مجھ کو یہ معلوم نہ ہو جائے کہ یہ سب قیمتی چیزیں تو نے جہاد کے اخراجات کے لیے اپنے غلاموں اور باندیوں سے لے لی ہیں اس وقت تک میں غریب مسلمانوں کے مال لے لینے کا فتویٰ تیرے حق میں نہیں لکھ سکتا" بیبرس علامہ کی اس حق گوئی سے ناراض ہو گیا اور اُن کو شہر بدر کر دیا۔ بعد میں اُس کو اپنی غلطی پر تنبہ ہوا تو اُس نے یہ حکم منسوخ کر کے علامہ کو پھر دمشق میں آنے اور رہنے کی اجازت دے دی۔ مگر اقلیم علم کے سلطان بے دیہیم و کلاہ کی بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ فرمایا "جب تک بیبرس موجود ہے میں نہیں آؤنگا" اس واقعہ کے ایک ماہ بعد ہی بیبرس کی وفات ہو گئی۔

عباسی خلیفہ مستکفی باللہ کے عہد میں ذمی رعایا نے ایک درخواست دی کہ ذمی ہونے کی حیثیت سے ہم پر جو بندشیں لگی ہوئی ہیں وہ اُٹھالی جائیں اور اُس کے عوض ہم سات لاکھ دینار سالانہ ادا کرتے رہینگے۔ وزیر اور خلیفہ دونوں کا رجحان تھا کہ اس درخواست کو قبول کرلیں لیکن علامہ ابن تیمیہ نے اس میں مداخلت کر کے فرمایا "شریعت اسلام کے احکام کسی قیمت پر بھی فروخت نہیں ہو سکتے"۔ خلیفہ کو مجبوراً امام کے فتوے کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا اور اُس نے ذمیوں کی درخواست مسترد کر دی۔

سلطنتِ آلِ عثمان کا مشہور فرمانروا سلیم اوّل نے ایک مرتبہ اپنی سلطنت کے مفتی اعظم شیخ جمالی سے دریافت کیا "ملکوں کا فتح کرنا بہتر ہے یا قوموں کا مسلمان بنانا" شیخ نے کہا "قوموں کا مسلمان بنانا" سلطان نے یہ سُن کر اعلان کرادیا کہ میری مملکت میں جو شخص مسلمان نہیں ہوگا قتل کر دیا جائیگا۔ اب مفتی اعظم کو اس اعلان کی خبر ہوئی تو فوراً سلطان کی خدمت میں پہنچے اور بتایا کہ آپ کا یہ

حکم قرآن کے خلاف ہے، غیر مسلموں سے جزیہ لے کر اُن کو مذہب کے معاملہ میں آزاد چھوڑ دینا چاہیے۔“ مفتی اعظم شیخ جمالی کی اس تصریح کے بعد سلطان نے اپنا حکم واپس لے لیا اور مسلمان ایک عظیم گناہ سے بچ گئے۔

سلطان سنجر امام غزالی کے اشاروں پر چلتا تھا شہاب الدین غوری امام فخر الدین رازی کا بڑا معتقد تھا۔ حاجی الدبیر نے تاریخ ظفر الوالہ بمظفر وآلہ میں ایک تفصیلی واقعہ لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام رازی نے غوری کے بعض عقائد غیر صحیحہ کی اصلاح کی تھی پھر صرف یہی نہیں کہ علماء حق کبھی کبھار خلفاء کو اُن کے اعمال وافعال پر ٹوکتے رہتے ہوں بلکہ اُنہوں نے مستقلاً کتابیں اور رسائل لکھے تاکہ خلفاء اور سلاطین اُن پر عمل پیرا ہوں جیسا کہ قاضی ابو یوسف نے ہارون رشید کے لیے کتاب الخراج لکھی۔ اسی طرح کا ایک دستور سیاسی ابن المقفع نے لکھا تھا۔ امام ابو عبید القاسم بن سلام المتوفی ۲۲۴ھ کی مشہور ضخیم کتاب ”کتاب الاموال“ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے چنانچہ اس کے پہلے باب میں ہی امام نے بادشاہ اور رعایا کے باہمی حقوق سے بحث کی ہے۔ امام مالک کا بھی ایک رسالہ مشہور ہے جو اُنہوں نے خلیفہ ہارون رشید کے نام لکھا تھا اور جس میں اُنہوں نے خلیفہ کو متعدد نصیحتیں کی ہیں۔

خلفاء اور وزراء و امراء کی اصلاح کے علاوہ خارجی اثرات کے ماتحت ملک میں جو عقیدہ و عمل کی خرابیاں پیدا ہوتی تھیں علماء حق اُن کا بھی مردانہ وار مقابلہ کرتے تھے۔ چنانچہ جب بغداد میں فسق وفجور عام ہونے لگا تو خالد الدریوش نے اس کی روک تھام کے لیے ایک جماعت بنائی اسی طرح کی ایک جماعت سہل بن سلامۃ الانصاری نے بنا رکھی تھی۔ دونوں کا مقصد یہ تھا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ اُن تمام عناصر فاسدہ کا استیصال کیا جائے جو مسلمانوں میں بدعملی کے پیدا ہونے کا سبب ہو رہے ہیں۔ پھر حنابلہ نے فرق باطلہ کا مقابلہ جس اولو العزمی اور ہمت عالی

حد مسلکی سے کیا ہے ارباب خبر ونظر پر پوشیدہ نہیں۔ اس راہ میں ان علماء کو قید وبند کے مصائب سے بھی دوچار ہونا پڑتا تھا، جیسا کہ امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام ابوحنیفہ وغیرہ ائمہ کبار کے ساتھ ہوا لیکن پھر بھی ان کی صدائے حق پست نہیں ہوتی تھی اور نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ چونکہ حکومت بہر حال اسلامی تھی اس لیے جلد یا بدیر اس آواز کا اثر ہوتا تھا اور مفاسد کی اصلاح کسی نہ کسی شکل میں ہوجاتی تھی۔ مامون رشید طبعاً وسیع المشرب اور ضرورت سے زیادہ روادار تھا۔ مگر زنادقہ کے وجود کو وہ بھی برداشت نہیں کرسکا۔ اور مہدی نے اس گمراہ فرقہ کے ساتھ جبر وتشدد کا جو معاملہ کیا تھا وہی مامون نے بھی اس کے ساتھ کیا۔

صوفیاء کرام کا اصلاح امت میں حصہ علماء ربانیین کے دوش بدوش صوفیاء کرام کا بھی ایک گروہ تھا جو سلطنت وحکومت کے ہنگاموں سے الگ غیر مسلموں کو مسلمان اور مسلمانوں کو پختہ تر مسلمان بنانے میں نہایت خاموشی کے ساتھ مصروف تھا۔ یہ حضرات ایک طرف روحانی ریاضتوں اور باطنی اعمال واشغال کے ذریعہ مسلمانوں کا تزکیہ نفس کرتے تھے اور دوسری جانب ملک ملک کی خاک چھان کر اسلام کا پیغام دوسروں تک پہنچاتے تھے چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستان، افریقہ، چین اور جزائر شرق الہند، جاوا، سماٹرا، ملایا، بورنیو، نیوگنی سلیبیز اور فلپائن ان سب مقامات پر اسلام کی اشاعت بڑی حد تک صوفیاء کرام کی کوششوں کی ہی رہین منت ہے جو محض تبلیغ اسلام کے لیے تن تنہا یا اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت لیکر یہاں آتے تھے اور مختلف طریقوں سے لوگوں کو اسلام کا حلقہ بگوش بناتے تھے۔ حضرت معین الدینؒ اجمیری نے راجپوتانہ میں، حضرت قطب الدین بختیار کاکی اور شیخ نظام الدین اولیاء نے دہلی اور اس کے اطراف واکناف میں۔ شیخ علی ہجویری نے پنجاب میں اسلام کا جو چراغ روشن کیا تھا اسی کا صدقہ ہے کہ اس بتکدۂ ہند میں آج مسلمانوں کی تعداد نو کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ شمالی افریقہ میں جو اذان کی تکبیریں سنائی دیتی ہیں کون کہہ سکتا ہے کہ ان کے قائم کرنے میں

حضرت شیخ عبداللہ بن یس، محمد بن علی السنوسی اور جماعت فلاحین کی کوششوں کو دخل نہیں ہو۔ ساٹرا، ملایا اور جاوا میں جو توحید کی گونج ہے کون انکار کرسکتا ہے کہ وہ شیخ عبداللہ عارف، سید برہان الدین، شیخ عبداللہ الیمنی، مولانا ملک ابراہیم، اور شیخ نورالدین ایسے نفوس قدسیہ کی مساعی حسنہ کا اثر جمیل ہے۔

حکومت اسلامی کی عام برکات | بہرحال یہ حقیقت نظرانداز نہ ہونی چاہیے کہ یہ سب کچھ برکات اس بات کی تھیں کہ مسلمانوں کی اپنی حکومت وسلطنت تھی۔ وہ خود صاحب اقتدار واختیار تھے۔ یہ حکومت بُری بھلی خواہ کیسی ہی ہو لیکن بہرحال تھی تو اپنی ہی۔ بادشاہ ذاتی طور پر کیسا ہی فاسق وفاجر ہو پھر بھی وہ مسلمان ہوتا تھا اور غیرمسلم قوموں کے مقابلہ میں اُس کی حمیت دینی وغیرت مذہبی کی رگ میں جوش پیدا ہو ہی جاتا تھا۔ تلوار جب اپنے ہاتھ میں تھی تو اُس سے جہاں بعض اوقات خود اپنوں کے گلے کٹتے تھے دشمن کے مقابلہ میں اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کا کام بھی اُسی سے نکلتا تھا۔ بنو اُمیہ نے جس طرح اسلام کی سیاسی مرکزیت کو سنبھالا اُس کا اعتراف ہر دوست اور دشمن کو ہے۔ ولید ثانی جیسے نااہل خلیفہ ہونے لگے تو خدا نے اس حکومت کو فنا کرکے بنو عباس کو صاحب تاج وتخت بنا دیا۔ اور ان سے اسلام کے قلعہ کو دشمنوں کی دستبرد سے بچانے کا کام لیا۔ سفاح سے لے کر معتصم باللہ تک جو خلفاء ہوئے وہ ذاتی اعمال وافعال کے لحاظ سے خواہ کیسے ہی لاابالی اور وسیع المشرب ہوں مگر پھر بھی رومیوں کی ہمسایہ طاقت اور مسلمانوں کے درمیان وہ ایک آہنی دیوار بنے کھڑے رہے۔ اور ناؤ ونوش کی سرمستیوں میں بھی وہ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے خیال سے غافل نہیں ہوئے۔ پھر جب ان خلفاء بنی عباس میں اس کی اہلیت نہیں رہی تو خدا نے صلیبی طاقتوں کا سر کچلنے کے لیے سلطان نورالدین زنگی اور سلطان صلاح الدین ایوبی اعلی اللہ مقامہما پیدا کر دیے۔ اس کے بعد شام اور عراق عجم میں تاتاریوں کا زور بندھا تو اُس کا توڑ کرنے کے لیے ملک مظفر سیف الدین

اور رکن الدین بیبرس کی تلواریں نیام سے باہر نکل آئیں اور دشمنوں پر خدا کے قہر کی بجلی بن کر گریں۔

آٹھویں صدی ہجری کے ختم پر یورپ نے اسلام کے خلاف پھر ایک مرتبہ صلیبی جنگ کا اعلان کیا تو سلطان بایزید ایلدرم نے اُس کو شکست فاش دے کر اسلام کا سر افتخار اونچا کر دیا بار بار کی کوششوں کے باوجود مشرقی یورپ کا دروازہ (قسطنطنیہ) مسلمانوں پر اب تک نہیں کھلا تھا خدائے احکم الحاکمین نے عثمانی فرمانروا سلطان محمد ثانی کے دست و بازو میں اتنی طاقت دی کہ اس کے ذریعہ یہ صدیوں کی مشکل حل ہو گئی

مسلمان بادشاہوں کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ ان میں جو بادشاہ متقی اور پرہیزگار ہوتے تھے مثلاً منصور، نورالدین، صلاح الدین، غیاث الدین اور اورنگ زیب عالمگیر وغیرہم وہ تو خیر اسلامی شعائر و حدود کا احترام کرتے ہی تھے۔ ان کے علاوہ جو سلاطین عشرت پسند، اور لذت کوش ہوتے تھے (باستثنا معدودے چند) وہ بھی اسلامی احکام کا احترام ملحوظ رکھنے میں کسی سے کم نہیں تھے۔ ہارون جواری کے جھرمٹ میں بیٹھ کر داد عیش و طرب دیتا تھا مگر ساتھ ہی ہر شب میں سو رکعتیں پڑھتا تھا۔ جہانگیر خود دختر رز کی کاکل پیچاں کا اسیر تھا مگر مملکت میں کسی کی مجال نہ تھی کہ اس نابکار کو مُنہ لگا سکے۔ عدالتوں کے فیصلے قرآن و حدیث کی روشنی میں ہوتے تھے مسجدیں آباد تھیں جگہ جگہ اسلامی مدارس و مکاتب تھے جن میں اسلامی طریقہ پر بچوں کی تعلیم و تربیت ہوتی تھی علماء اور مشائخ اطمینان سے دین کی خدمت کا کام کرتے تھے، سوسائٹی میں منہیات و محرمات کا چرچا عام نہیں ہو سکتا تھا۔ مسلمان آزادی کی فضا میں سانس لیتے تھے، کسی غیر کے غلام نہیں تھے۔ یہاں تک کہ انہیں شاید اس کا تصور بھی نہیں تھا کہ مسلمان کبھی غیر مسلم حکومت کا محکوم ہو کر رہ سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ فقہ کی کتابوں میں ہر قسم کے معاملات کے ابواب ملتے ہیں لیکن اس کے متعلق کوئی مستقل باب نہیں ملتا کہ مسلمان بدقسمتی سے اگر کسی غیر قوم کے محکوم ہو جائیں تو کس طرح زندگی بسر کریں۔ علاوہ

ازیں اس پر بھی غور کیجیے کہ قرامطہ اور باطنیہ ایسے عظیم فتنے اسلام میں پیدا ہوئے۔ ان کا استیصال کس نے کیا؟ اس میں شبہ نہیں کہ علماءِ کرام نے تحریر اور تقریر سے ان کا مقابلہ کیا لیکن اگر اسلامی حکومتیں ان کی پشت پناہ نہ ہوتیں تو کیا یہ فتنے مٹ سکتے تھے۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمان بادشاہوں نے جو ملکی فتوحات حاصل کیں اُن سے اُن کی نیت خواہ کچھ ہی ہو بہر حال ان فتوحات کے چند نتائج لازمی طور پر ظاہر ہوئے۔ ایک یہ کہ مذہب اسلام کی موثر طریقہ پر اشاعت ہوئی، عربی زبان کو فروغ ہوا اور اسلامی تہذیب و معاشرت عالمگیر ہو گئی۔ بہرحال یہ سب کچھ اس بنا پر تھا کہ مسلمانوں کی اپنی حکومت تھی۔ اس حکومت کے تخت پر کبھی کبھی حاکم بامر اللہ اور جلال الدین اکبر ایسے گمراہ بادشاہ قبضہ کر لیتے تھے تو دوسری جانب سلطان محمود غزنوی، شہاب الدین غوری، سلطان غیاث الدین بلبن، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر رحمہم اللہ ایسے عادل، پاک نفس اور مجاہد فی سبیل اللہ سلاطین بھی اسی تخت پر متمکن ہوتے تھے۔ جو اپنے عزم و حوصلہ سے ملک و قوم کی بگڑی ہوئی تقدیر کو پلٹ کر رکھ دیتے تھے۔

مسلمانوں کے عروج و زوال کی یہ جو ملی جلی مختصر داستان آپ نے سُنی ہے اُس سے یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ جب تک مسلمان اسلام کے قوانین فطری پر عمل پیرا رہے، وہ برابر ترقی کرتے رہے لیکن جب اُن میں اسلامی روح مضمحل ہونے لگی تو اُن میں تنزل بھی پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ اس تنزل کی رفتار دفعی نہیں بلکہ تدریجی تھی۔ ہر گناہ کی ایک خاصیت ہوتی ہے جو جلد یا بدیر اُس پر مرتب ہوتی ہے ایک حکومت کا عظیم ترین گناہ یہ ہے کہ اُس کے بادشاہ میں استبداد ہو۔ رعایا کی پروا ذرا نہ کرتا ہو۔ ملک کی آمدنی کو اپنے عیش و آرام پر خرچ کرنا اپنا حق سمجھتا ہو اور اپنی ذاتی منفعت کو ملک کے عام مفاد پر بہرحال ترجیح دیتا ہو۔ جب کسی حکومت سے یہ گناہ سرزد ہوتا ہے خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم تو اُس کو اس گناہ میں جتنا جتنا انہماک بڑھتا جاتا ہے اُسی قدر وہ اپنی موت سے قریب تر آتی

جاتی ہے۔ ایک بادشاہ ذاتی تعیش و آرام کی حد تک اگر فسق و فجور میں مبتلا رہتا ہے، مگر ساتھ ہی وہ نظام مملکت سے غافل نہیں ہے اور رعایا کے معاملات میں عدل و انصاف کا سر رشتہ اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیتا، قدرت ایسے بادشاہ سے درگزر کر سکتی ہے اور تاریخ میں اس کی متعدد نظیریں موجود بھی ہیں، لیکن ایک ظالم و جابر اور خود غرض و مطلب پرست حکومت کو برداشت نہیں کیا جا سکتا۔

ہماری تاریخ ہمارے اچھے اور بُرے اعمال کی آئینہ دار ہے۔ مجھ کو اس کا اعتراف ہے کہ گزشتہ اوراق میں میں نے مسلمان حکومتوں پر تنقید کرنے میں احتیاط کے باوجود کسی قدر زیادہ صاف بیانی سے کام لیا ہے لیکن اُس کا مقصد دوسروں کو اپنے اوپر ہنسنے کا موقع دینا نہیں ہے بلکہ غرض صرف یہ ہے کہ خدائے ارحم الراحمین تو ظالم ہے نہیں۔ اس بنا پر آج ہمارے اوپر جو ادبار مسلط ہے وہ یقیناً ہمارے گزشتہ اعمال کا ثمرہ ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی اُن تمام بدعملیوں کا جائزہ لیں جو ہم نے تاریخ کے عہد ماضی میں کی ہیں۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ کسی مسلمان حکومت کا گناہ تنہا اُس حکومت کا نہیں بلکہ پوری قوم کا گناہ ہے۔ اور اپنی ان بدعملیوں کا جائزہ لینے کے بعد بارگاہ ایزدی میں صدق دل سے توبہ کر کے آئندہ کے لیے عہد صمیم کریں کہ ہم پھر ان گناہوں کا ارتکاب نہ کرینگے۔ ہمیں چاہیے کہ اس عہد و پیمان کے ساتھ اپنے تنزل کی ویرانیوں کو عروج و اقبال کی آبادیوں میں تبدیل کر دینے کے لیے سرفروشانہ طور پر اُٹھیں۔

راہِ عمل ہمارے لیے متعین ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لَنْ يَصْلُحَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا بِمَا صَلُحَ بِهٖ اَوَّلُهَا (اوکما قال)

اس اُمت کا آخر انہیں طریقوں سے اصلاح یاب ہوگا جن سے اس اُمت کے اول کی اصلاح ہوئی تھی۔